© rasailojaraid.com

فکرونظر............ اسلام آباد   جلد: ۴۹   شمارہ: ۴

دورجدید میں کرنسی نوٹ اور ہُنڈی
فقہی وشرعی حیثیت

مفتی سلمان احمد خان☆

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی☆☆

ABSTRACT

In the modern age the currency note and *Hundi* as well as their modes of dealing have changed. Consequently, we see different and new approaches to money changing. The various modes have also generated variety of new instructions. These changes require the scholars to revisit their earlier opinions to address new questions raised by these changes. The present system of *Hundi* and currency poses problem that call for finding solutions, not contradictry to the rules of *'Shariah'* e.g. it does not lead to the interest based methods of financial dealing.

This paper examines the current methods of monetary transactions in the light of *Shariah* Injunctions.

موجودہ دور انتہائی تیز رفتا ر دور ہے۔مروجہ نظام زندگی کی بنیادیں بہت تیزی سے بدل رہی ہیں۔ہر شعبۂ زندگی تیز رفتار تبدیلیوں سے دو چار ہے۔ان تبدیلیوں کا اثر لا محالہ ، شرعی مسائل پر بھی پڑتا ہے، کیوں کہ فقہی احکام ہمیشہ کچھ مخصوص مقاصد کے ساتھ مربوط رہے ہیں،لہٰذا بعض جب وہ مقاصد تبدیل ہو جاتے ہیں تو فقہی احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ درحقیقت مسئلہ تبدیل نہیں ہوتا بلکہ عرف، آلات یا حالات

☆ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر،شعبہ علوم اسلامیہ،جامعہ پنجاب،لاہور

☆☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

© rasailojaraid.com

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IRI, IIU, Islamabad.   http://iri.iiu.edu.pk/

© rasailojaraid.com

وغیرہ کے بدل جانے سے عام طور پر اس کی حقیقت تبدیل ہو جاتی ہے، چنانچہ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک نیا حکم جاری کرنا پڑتا ہے۔ کسی نئے حکم کے اجراء کے لیے مقاصد شریعت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت آئندہ صفحات میں نوٹ کی حقیقت پر بحث کے دوران آجائے گی ۔ چونکہ عوام الناس کے سامنے مسئلہ کی حقیقت نہیں، صرف حکم ہوتا ہے لہٰذا ان میں سے کچھ لوگ حکم کی تبدیلی پر مقرض ہوتے ہیں۔

ہنڈی کا مفہوم اور حقیقت

اگر زمانہ قدیم اور ماضی قریب پر نظر کی جائے تو عام طور پر ہمیں ہنڈی کا اطلاق اس رسید پر ہوتا نظر آتا ہے جو کسی مقروض کے ذمے قرض کے ثبوت کے طور پر قرض خواہ کے پاس ہوتی ہے اور قرض خواہ اس رسید کو دکھا کر اپنا مال وصول کر سکتا ہے۔

''فیروز اللغات'' میں ہنڈی کا مفہوم کچھ اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

> وہ رقعہ جو ساہوکار ایک جگہ سے دوسری جگہ روپیہ وصول کرنے کے لیے دیتے ہیں۔ آج کل کے زمانے کا چیک۔[۱]

عام طور پر ہنڈی پر لفظ 'حوالہ' کا اطلاق بھی کیا جاتا ہے اور ان دونوں کی تعریفات بھی ایک جیسی بیان کی جاتی ہیں۔ ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

> حوالے کا حکم سلطان کا فرمان ہوتا ہے۔ اس میں وضاحت کی جاتی ہے کہ کس قدر رقم ادا کی جائے گی، کسے ادا کی جائے گی، اور کس وسیلے سے۔[۲]

زمانہ قریب میں بھی ہنڈی کا اطلاق رسید پر کیا گیا ہے۔ چنانچہ مولانا فتح محمد لکھنوی رقم طراز ہیں:

> ہنڈی و منی آرڈر، یہ ایک سند ہے جس کے ذریعے سے روپیہ دینے والا جسے اور جس مقام پر چاہے روپیہ دلا سکتا ہے۔[۳]

زمانہ حال میں بھی ہنڈی کا اطلاق تبادلے کی دستاویز یا رسید پر کیا گیا ہے اور اسے بل آف ایکسچینج

۱- مولوی فیروز الدین، **فیروز اللغات**، لاہور، فیروز سنز، ص ۱۴۵۱

۲- **اردو دائرہ معاف اسلامیہ**، لاہور، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۳ء، ج ۸، ص ۴۰۳

۳- مولانا فتح محمد، **حلال وحرام**، لاہور، نذیر سنز، ص ۷۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(Bill Of Exchange) کا نام دیا گیا ہے۔ چنانچہ حسان مبین عالم اور محمد مبشر کی مشترکہ کتاب ''Money Banking and Finance'' میں ہنڈی کی تعریف کچھ اس طرح کی گئی ہے:

These are bill of exchange in vernacular language...(۴)

یہ مقامی زبان میں تبادلے کی رسیدیں کہلاتی ہیں۔

آکسفورڈ ڈکشنری میں ہنڈی یا بل آف ایکسچینج کی درج ذیل تعریف کی گئی ہے:

A written order to pay a sum of money to a particular person on a particular date.(۵)

رقم کی ایک مقدار کسی مخصوص شخص کو مخصوص تاریخ میں ادا کرنے سے متعلق تحریری حکم۔

بہرحال، ہنڈی کا اطلاق رسید پر کیا گیا۔ اس بات پر بھی اختلاف ہوا کہ اگر کوئی شخص ایک جگہ دوسرے شخص کو رقم دیتا ہے اور کسی دوسری جگہ پر رسید دکھا کر اس کا وکیل وہ رقم وصول کرتا ہے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں۔ بعض حضرات نے اسے اس وجہ سے نا جائز کہا کہ جو شخص رقم لے کر رسید دے رہا ہے وہ اس عمل پر رقم بھی وصول (Charge) کرتا ہے حالانکہ وہ تو خود رقم خرید رہا ہے۔ چنانچہ اس کا یہ زائد رقم (فیس) وصول کرنا سود کے زمرے میں آ جائے گا۔ بعض حضرات نے اسے قرض یا امانت قرار دیتے ہوئے اس پر اجرت وصول کرنے کو ناجائز کہا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی ہنڈی کی تعریف اور اس کا حکم بیان کرتے اور ہنڈی کی قرض اور امانت کی حیثیت کو ثابت کرتے ہوئے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

السفاتج: جمع سُفْتَجَة: وهى الورقة. وهى أن يدفع امرؤ الى تاجر مبلغاً قرضاً ليدفعه إلى صديقه فى بلد آخر ليستفيد به سقوط خطر الطريق. وهذا مكروه تحريماً عند الحنفية؛ لأنه فى الحقيقة قرض

۴- Hassan Mobeen Alam & Muhammad Mubasshar, *Money Banking And Finance,* sayyad Mobin & Co., Lahore. P.173

۵- Sally Wehmeier, *Oxford Advanced Learners Dictionary,* Bill of Exchange, Oxford University Press, U.K, 2005. P.140

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استفاد به المقرض أمن خطر الطريق. وهو نوع من النفع المستفاد على حساب القرض، وقد نهى رسول الله ﷺ عن قرض جر نفعاً. فكراهة هذا التصرف ناشئة عما اذا كان أمن خطر الطريق مشروطاً. فاذا تم القرض دون أن يشترط المقرض فى عقد القرض دفع المال فى بلد أخرى بالحوالة ونحوها، جاز القرض. ويجوز ايضا إذا دفع المال إليه أمانة لتسليمها فى بلد آخر.(٦)

سفاتج: سُفتجہ کی جمع ہے اور وہ ایک مخصوص رسید ہوتی ہے۔اوروہ (اس کا طریقہ کار) یہ ہے کہ کوئی شخص کسی تاجر کو بطور قرض ایک مخصوص رقم دے تاکہ وہ دوسرے شہر میں وہ رقم اِس کے دوست کے حوالے کر دے تاکہ اِس کے ذریعے راستے کے خطرے سے حفاظت ہو جائے۔احناف کے ہاں یہ مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ درحقیقت یہ ایک ایسا قرض ہے جس کے ذریعے قرض دینے والے نے راستے کے خطرے سے حفاظت حاصل کر لی ہے۔ اور یہ اسی نفع کی ایک قسم ہے جو قرض پر حاصل کیا جائے، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے قرض سے منع فرمایا ہے جو نفع کے حصول کا باعث بن جائے اور اِس تصرف کی کراہت اس صورت میں ہے جب راستے کے خطرے سے حفاظت مشروط ہو۔لہٰذا اگر قرض اس حالت میں مکمل ہوا کہ اس میں قرض دینے والا عقد قرض میں حوالہ یا اسی طرح کے کسی اور طریقے سے دوسرے شہر میں مال دینے کی شرط نہ لگائے تو یہ قرض جائز ہوگا۔اور یہ بھی جائز ہے کہ جب اس شخص کو بطور امانت کے مال سپرد کرے تاکہ وہ اس مال کو دوسرے شہر میں سپرد کر دے۔

بعض حضرات نے ہنڈی کو قرض یا امانت تسلیم نہیں کیا بلکہ اسے حوالہ قرار دے کر اس پر اجرت وصول کرنے کو جائز کہا ہے۔چنانچہ ہُنڈی کے جواز پر دلیل دیتے ہوئے مولانا فتح محمد صاحب لکھتے ہیں:

ان کے منع و جواز میں اقوال مختلف و متعارض ہیں....ہنڈی کو قرض بیع یا

٦- وھبۃ الزحیلی، **الفقہ الاسلامی و ادلتہ**، الفصل الحادی عشر: الحوالۃ دمشق، دارالفکر، ۱۹۸۵ء ج ۵،ص ۱۷۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> امانت قرار دے کر فاسد ومکروہ سمجھنا ایک زبردستی ہے بلکہ ہنڈی ایک حوالہ ہے جس کے لیے کچھ اجرت معین کی گئی ہے اور محتال علیہ یا وکیل کو بعض امور متعلقہ کی اجرت لینے کی ممانعت منقول نہیں۔ پس جائز ہے کہ کچھ اجرت لی جائے اور جہاں اور جب اور جسے دینا مشروط ہو دیا جائے....اور ہرگز تسلیم نہ کی جائے گی وہ تاویل جو موجب منع وکراہت ہو اس لیے کہ تجارت میں توسیع، معاملات میں آسانی،اموال میں حفظ،فوائد مسلمین میں سعی ،حرج وضیق سے آدمیوں کو بچانا ہمیشہ شارع علیہ السلام کے پیش نظر رہا ہے۔ (۷)

ہنڈی کی جدید حیثیت

ماقبل میں جو تعریفات گزری ہیں، ان میں ایک ہی فریق نے رقم وصول کرنا ہوتی تھی لیکن یہاں پر دونوں فریقوں نے رقوم وصول کرنا ہوتی ہیں، تاہم ماقبل میں کی گئی تعریفات بھی موجودہ ہنڈی کے طریقہ کار پر صادق آتی ہیں۔ ہماری بحث کا بنیادی تعلق رقوم کی آپس میں کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت سے ہے۔خواہ وہ رقوم ایک ہی ملک کی ہوں یا مختلف ممالک کی۔ اس خرید و فروخت میں بنیادی حیثیت نوٹ کو حاصل ہے اور ہماری بحث کا تعلق نوٹ کے رسید ہونے یا نہ ہونے سے بہت گہرا ہے ۔آج کل ہنڈی کا اطلاق عام طور پر کرنسی(currency)نوٹوں کی آپس میں خرید و فروخت پر کیا جاتا ہے۔چنانچہ ہنڈی کا طریقۂ کار بیان کرتے ہوئے مولانا تقی عثمانی صاحب رقم طراز ہیں:

> دوسرا طریقہ جس کو حوالہ یا ہنڈی کہتے ہیں کہ وہاں سعودی عرب میں کسی آدمی سے کہا کہ ہم آپ کو یہاں ریال دے دیتے ہیں اور آپ ہمارے فلاں آدمی کو پاکستان میں روپیہ ادا کر دینا.... اس کی شرعی تخریج یہ ہے کہ سعودی عرب والے شخص نے اپنے ریال پاکستانی روپے کے عوض نسیئہ فروخت کیے کہ ریال ابھی دے رہا ہوں اور تم روپیہ تین دن کے بعد ادا

۷- **حلال وحرام**،ص ۷۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا۔[۸]

حقیقت یہ ہے کہ اگر نوٹ کی فقہی اور شرعی حیثیت واضح ہو جائے تو ہنڈی،یعنی نوٹوں کے آپس میں تبادلے کا حکم بھی معلوم ہوسکتا ہے۔یعنی نوٹوں کا نوٹوں سے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے یا نہیں۔

نوٹ کیا ہے؟

نوٹ کی حقیقت کے بارے میں مختلف علمائے کرام کے مختلف مؤقف سامنے آئے اور جیسا کہ ابتداء میں میں کہا گیا کہ عام طور پر مسئلہ میں تبدیلی اس کی حقیقت میں تبدیلی کی وجہ سے ہوتی ہے یہاں پر بھی یہی ہوا کہ چونکہ نوٹ کی حقیقت مختلف علماء کے نزدیک مختلف تھی،اس لیے استنباطِ احکام میں بھی کچھ اختلاف واقع ہوابلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ علماء نے نوٹ کی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے گذشتہ فتوؤں سے رجوع بھی کیا۔[۹]

نوٹ کی حقیقت کے بارے میں بنیادی طور پر پانچ مؤقف سامنے آئے ہیں:

پہلا مؤقف

کچھ عرصہ قبل تک ہندوستان کے بہت سے علماء کی یہ رائے تھی کہ نوٹ بذات خود مال نہیں ہیں بلکہ مال کی رسید ہیں۔چنانچہ مفتی کفایت اللہ دھلویؒ رقم طراز ہیں:

> نوٹ ایک سند ہے جو گورنمنٹ کی طرف سے اس روپے کی مقدار کے موافق عطا کی جاتی ہے جو خزانہ شاہی میں داخل کیا جاتا ہے۔[۱۰]

مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب بھی نوٹ کو رسید ہی تسلیم کرتے ہیں لہٰذا لکھتے ہیں:

> نوٹ کے ہم جنس یا غیرجنس ہونے کی تحقیق اس وقت مفید ہے جب وہ خود مبیع ہو نوٹ کا لین دین بیع نہیں بلکہ حوالہ ہے اور ظاہر ہے محتال بہ میں کمی بیشی ربا ہے لہٰذا یہ بٹہ حرام ہے۔[۱۱]

۸- مولانا محمد تقی عثمانی، **اسلام اور جدید معاشی مسائل**، کراچی،لاہور، ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۸ء، ج۲،ص ۸۶

۹- مولانا محمد تقی عثمانی، **بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة**، احکام الاوراق النقدیۃ، کراتشی، مکتبہ دارالعلوم کراتشی، ۱۴۲۵ھ، ص ۱۶۰

۱۰- مفتی کفایت اللہ، **کفایت المفتی**، کتاب الصرف، کراچی، دار الا شاعت، ۲۰۰۱ء، ج ۸،ص۱۱۲

۱۱- مولانا اشرف علی تھانوی، **امداد الفتاوٰی**، کراچی، مکتبہ دار العلوم کراچی،۲۰۰۳ء، ج ۳،ص ۸۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے نوٹ کو سکے (فلس) کی مثل بھی تسلیم نہیں کیا چنانچہ اس بارے میں کیا گیا سوال اور اس کا جوب درج ذیل ہے:

سوال: نوٹ کاغذی سکہ ہے، مثل اور سکوں کے ہے یا نہیں؟

الجواب: نہیں۔ (۱۲)

یعنی یہ نوٹ اس مال کی رسید ہیں جو بینک کے پاس سونے کی شکل میں رکھا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کو نوٹ دیتا ہے تو وہ در اصل اپنے اس دین (قرض) کو دوسرے شخص کے حوالے کر رہا ہوتا ہے جو اس نے بینک سے وصول کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ وہی دین اور قرض ہے کہ جس کے بارے میں نوٹ پر لکھا ہوتا ہے: ''حامل ہٰذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا۔'' مثلاً اگر میں نے کسی کو مبلغ سو روپے دیے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے جو مال بینک سے لینا تھا اس کا حوالہ اِس شخص کو کر دیا کہ تم جا کر بینک سے یہ مال یا قرض وصول کر سکتے ہو۔ وہ قرض کیا ہے؟ و ہ قرض دراصل سونا ہے جو بینک کے پاس رکھا ہے اور جو اِن نوٹوں کی پشت پناہی کر رہا ہے اور انہیں قابل اعتماد بنا رہا ہے۔ آیا آج بھی نوٹو ں کی پشت پر سونا موجود ہے؟ اس کی وضاحت آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔ اب کیونکہ ان علماء کرام کے نزدیک نوٹ کی حیثیت مال کی رسید کی تھی، چنانچہ اس پر کچھ مسائل متفرع ہوئے جن کا تعلق نوٹ کی حقیقت سے تھا۔

الف- مثلاً یہ مسئلہ کہ اگر کسی فقیر کو زکوٰۃ میں نوٹ دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب تک کہ زکوٰۃ لینے والا بینک سے سونا وصول نہ کر لے یا پھر اس نوٹ کے ذریعے سے کوئی سامان نہ خرید لے۔ چناچہ مفتی کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

> زکوٰۃ میں نوٹ دینا جائز ہے مگر جس کو نوٹ دیا ہے جب وہ اس کو کام میں لے آئے اس وقت زکوٰۃ ادا ہوگی۔ (۱۳)

اس لیے کہ زکوٰۃ تو نام ہے **تملیک المال بغیر عوض** کا۔ یعنی بغیر کسی عوض کے کسی کو مال کا مالک بنا دینا۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم زکوٰۃ کی تعریف یہ بیان کرتے ہیں:

> **(ھی تملیک المال من فقیر مسلمٍ غیرِ ھاشمیٍّ ولا مولاہُ بشرط قطع المنفعة عن المملِّک من کل وجہٍ للہ تعالیٰ)لقولہ تعالیٰ (و ا توا**

۱۲- ایضاً، ج ۳، ص ۷۷

۱۳- **کفایت المفتی**، ج ۸، ص۱۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الزکوٰۃ) [البقرہ:۴۳]والإیتاء ھو التملیک جزء من مالہ...[۱۴]
وہ(زکوٰۃ)کسی مسلمان فقیر کو مال کا مالک بنانا ہے (بشرطیکہ) وہ ھاشمی (بنو ھاشم سے) یا اس کا مولا (غلام) نہ ہو،اس شرط کے ساتھ کہ دینے والے کی ملکیت مال سے مکمل طور پر ختم ہو جائے اور یہ دینا اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ (اور دلیل) اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ زکوٰۃ دو۔ اور دینا ،وہ اپنے مال کے کسی حصے کا مالک بنانا ہے۔

اور کسی کو نوٹ کی صورت میں زکوٰۃ دینے میں اگرچہ عوض تو نہیں لیا گیا لیکن مال کا مالک بھی نہیں بنایا گیا بلکہ صرف مال کی رسید کا مالک بنایا گیا ہے چنانچہ صرف نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوئی،اس لیے کہ نوٹ تو مال ہی نہیں ہیں۔لہٰذا جب تک وہ شخص جسے زکوٰۃ دی گئی ہے ان نوٹوں سے کوئی مال نہ خرید لے اس وقت تک زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ب۔اس اصول پر دوسرا مسئلہ یہ متفرع ہوا کہ اس نوٹ کے ذریعے سے سونا بھی نہیں خریدا جا سکتا۔اس لیے کہ یہ درحقیقت سونے کا تبادلہ سونے سے ہو رہا ہے۔ایک تو وہ سونا جو اِس نوٹ کی پشت پر ہے اور جس کی رسید یہ نوٹ ہے۔اور دوسرا وہ سونا جسے یہ گاہک بن کر خریدنے آیا ہے۔ اور سونے کی سونے سے بیع،بیع صرف کہلاتی ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ بیع صرف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ھو بیع بعض الاثمان ببعض)کالذھب والفضۃ اذا بیع أحدھما بالآخر أی ما من جنس الأثمان بعضھا ببعض.[۱۵]
وہ(صَرف)ایک ثمن کی بیع دوسری ثمن کے ساتھ ہے ،جیسے سونے کی بیع چاندی کے ساتھ جب ان میں سے ایک کو دوسرے کے بدلے بیچا جائے۔یعنی ایک جنسِ ثمن دوسری جنسِ ثمن کے ساتھ بیچی جائے۔

یعنی بیع صرف وہ بیع ہے کہ جس میں دونوں عوض ثمن ہوں۔اورسونا اور چاندی نہ صرف ثمن خلقی ہیں بلکہ ثمنِ حقیقی بھی ہیں۔یعنی جس طرح ان کی پیدائش اور وضع ثمن بننے کے لیے کی گئی ہے اسی طرح اگرچہ عملی طور پر ان کا استعمال بطورثمن کے نہ ہوتا ہوپھر بھی وہ ثمن ہی کہلائیں گے۔جبکہ مذکورہ صورت میں بھی

---

۱۴ – علامہ ابن نجیم، **البحر الرائق**، کتاب الزکوٰۃ، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷ء، ج ۲،ص ۳۵۲

۱۵– ایضاً،**کتاب الصرف**، ج ۶،ص ۳۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں طرف سونا موجود ہے۔ ایک تو وہ سونا جو نوٹ کی پشت پر ہے اور دوسرا وہ سونا جس کو اِس نوٹ کے ذریعے خرید نے کے لیے یہ شخص آیا ہے اور بیع صرف میں تقابض فی المجلس ضروری ہے۔یعنی دونوں چیزوں پر ایک ہی مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بیع ادھار کی وجہ سے جائز نہ ہوگی۔اس لیے کہ بیع صرف کاحکم یہ ہے کہ نہ تو اس میں کمی بیشی ہواور نہ ہی ادھار ہو۔

چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تبیعوا الذھب بالذھب الا مثلاً بمثلٍ و الفضۃ بالفضۃ اِلا مثلاً بمثلٍ لا یشف بعضہ علٰی بعض ولا تبیعوا منہ غائبا بناجز . (۱۶)

نہ بیچو سونے کے بدلے سونا مگر برابرسرابر ،اور(نہ بیچو)چاندی کے بدلے چاندی مگر برابرسرابر ،ایک کو دوسرے پر زیادہ نہ کیا جائے،اور نہ بیچو ادھار کونقد کے بدلے۔

یعنی سونے کے بدلے سونا اور چاندی کے بدلے چاندی برابری کے ساتھ بیچے جائیں گے اور ان میں کمی بیشی بھی نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی انہیں ادھار بیچا جا سکتا ہے کہ ایک تو اپنے حصے کا سونا یا چاندی ابھی دے دے اور دوسرا بعد میں دے۔جبکہ مذکورہ بالا صورت میں نوٹ دینے والے کی طرف سے ادھار موجود ہے کہ وہ اصل سونا نہیں دے رہے بلکہ اس کی رسید دے رہا ہے جو ادھار ہی کی ایک شکل ہے۔چنانچہ تقابض فی المجلس نہ پایا گیاجس سے بیع نا جائز ہوگئی۔

دوسرا مؤقف

دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک روپے کا نوٹ خود مال ہے اور دوسرے بڑے نوٹ اس کی رسیدیں ہیں۔کیوں کہ ایک روپے کا نوٹ حکومت چھاپتی ہے اور باقی نوٹ سٹیٹ بینک چھاپتا ہے۔اس کے علاوہ بڑے نوٹوں پہ تو یہ لکھا ہوتا ہے کہ’’ حامِل ہٰذا کو مطالبہ پر اتنے روپے دیے جائیں گے‘‘لیکن ایک روپے کے نوٹ پر یہ نہیں لکھا ہوتا۔(۱۷) یہ نظریہ بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ایک تو اس وجہ سے کہ حکومت بڑے نوٹ چھاپنے میں اس بات کو مدنظر نہیں رکھتی کہ چھوٹے نوٹ کتنی تعداد میں ہیں۔اور دوسرا اس وجہ سے کہ بڑے

۱۶- ترمذی،**سنن الترمذی**، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ج ا،ص ۳۶۶

۱۷- مولانا محمد تقی عثمانی، **اسلام اور جدید معیشت وتجارت**، کراچی، مکتبہ معارف القرآن ،۲۰۰۳ء،ص ۱۰۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوٹوں اور ایک روپے کے نوٹ میں عملی طور پر کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں نوٹ ایک ہی طرح ہر جگہ قابلِ قبول ہیں۔ بلکہ اکثر جگہوں پر تو بڑے نوٹوں کو ہی ترجیح دی جاتی ہے۔چنانچہ مال ہونے کی زیادہ خصوصیت تو بڑے نوٹوں میں پائی گئی نہ کہ ایک روپے کے نوٹ میں۔لہٰذا ایک روپے کے نوٹ کو اصل مال شمار کرنا اور بڑے نوٹوں کو اس کی رسیدیں سمجھنا درست نہیں۔

تیسرا مؤقف

تیسرا موقف عرب علماء کا ہے۔ان کے ہاں نوٹ، سونے اور چاندی کے قائم مقام ہیں۔چنانچہ ان پر اب بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے چنانچہ اردن کی مجلس مجمع الفقہ الاسلامی نے نقود کے احکام کے موضوع پر بحث کرنے کے بعد مندرجہ ذیل قرار داد منظور کی:

إنَّهَا نُقُودٌ اِعتبارِيةٌ فِيهَا صفةُ الثمنيةِ كاملةً ولها الأحكامُ الشرعية المقررة للذهبِ والفضةِ مِن حيث أحكامِ الربا والزكاةِ والسلم وسائرُ احكامِهما.[۱۸]

یہ نقودِ اعتباری ہیں اور ان میں ثمنیت کی صفت مکمل طور پر پائی جاتی ہے اور ان کے لیے وہی شرعی احکام ہیں جو سونے اور چاندی کے لیے مقرر ہیں جیسے ربا، زکوٰۃ، سلم اور ان دونوں (سونے اور چاندی) کے دیگر تمام احکام۔

اس کے علاوہ مجلس نے کرنسی نوٹوں کی خرید وفروخت کے حوالے سے مندرجہ ذیل احکامات متعین کیے:

۱ – لَايجوزُ بيعُ الورقِ النقديّ بعضه ببعض، أو بغيره من الاجناسِ النقديةِ الأخرى من ذهبٍ أو فضةٍ أو غيرهما، نسيئة مطلقاً، فلا يجوز مثلاً بيع ريال سعودى بعملة أخرى متفاضلا نسيئةً بدُونِ تقابض.

۲ – لا يجوز بيعُ الجنسِ الواحدِ من العُملة الورقيةِ بعضه ببعض متفاضلاً، سواء كان ذلک نسيئة أو يداً بيدٍ، فلا يجوز مثلاً بيعُ

۱۸- مجلس مجمع الفقه الاسلامی الدولی، **أحكام النقود الورقية وتغير قيمة العملة**، الأردن، ۱۹۸۶ء قرار رقم ۲۱ (۳/۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عشرة ريالات سعودية ورقاً بأحد عشر ريالا سعودية ورقاً، نسيئة أو يدًا بيدٍ.

٣- يجوز بيعُ بعضِه ببعض مِن غير جنسه مطلقاً، إذا كان ذلكَ يدا بيد، فيجوز بيعُ اللِيرة السوريةِ أو اللبنانيةِ، بريالٍ سعوديٍ ورقًا كان أو فضةً، أو أقل من ذالک أو اکثر، وبيع الدولار الأمريکی بثلاثة ريالات سعودية أو أقل من ذالک أو أکثر، إذا کان ذالک يداً بيدٍ۔[۱۹]

١- کاغذی نوٹوں کی آپس میں یا دوسری نقد اجناس خواہ وہ سونا چاندی ہوں یا ان دونوں کے علاوہ ہوں،مطلقاً ادھار بیع ناجائز ہے، مثلاً سعودی ریال کی بیع کسی دوسری کرنسی کے ساتھ تقابض کیا بغیر ،کمی زیادتی اور ادھار کے ساتھ جائز نہیں ہوگی۔

٢- کاغذی کرنسی کی ایک ہی جنس کی بیع آپس میں تفاضل کے ساتھ جائز نہیں ہوگی خواہ یہ ادھار ہو یا ہاتھ در ہاتھ،مثلاً بیس سعودی ریال کی بیع اکیس سعودی ریال کے ساتھ نہ ادھار جائز ہوگی اور نہ ہاتھ در ہاتھ۔

٣- غیر جنس سے بعض کی بعض کے ساتھ بیع مطلقاً جائز ہوگی، اگر ایسا ہاتھ در ہاتھ کیا جائے، لہٰذا شامی یا لبنانی لیرہ کی بیع سعودی ریال کے ساتھ جائز ہے خواہ وہ کاغذی نوٹ ہو یا چاندی کا، اس سے زیادہ ہو یا کم ہو، اور ایک امریکی ڈالر کی بیع تین سعودی ریال کے ساتھ یا ان سے کم یا زیادہ کے ساتھ جائز ہے ، جب ایسا ہاتھ د رہاتھ کیا جائے۔

ڈاکٹر ابوبکر دوکوری تحریرفرماتے ہیں:

أنها يعتمد عليها فی کل المعاملات المالية والمبادلات التجارية أکثر مما يعتمد علی العملة المعدنية، فصارت هی کالأصل.قلنا إنَّ الحاجة الملحة هی التی دفعت جميع الدول فی العصر الحاضرإلی الاعتماد علی النقودِ الورقيةِ، ولا نجد رأياً لفقهاء السلف حول هذه

١٩- الدکتورعلی السالوس، **أحکام النقود الورقية وتغير قيمة العملة**، الأردن، دورتہ الخامسۃ، ۱۹۸۱ء؛ **النقود واستبدال العملات**، ص۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

النقود الورقية لعدم وجودها في عصرهم، غير أن علماء العصر وجدوا أنفسهم أمام الأمر الواقع هو كون العملة الورقية قد حلت محل الذهب والفضة في استعمالها مقياساً للتقييم وواسطةً للتبادل وأداة للإدخار، فغدت بذالک نقداً قائماً بذاته.[۲۰]

تمام مالی معاملات اور تجارتی لین دین میں اِن (کاغذی نوٹوں) پر معدنی کرنسی سے زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے لہٰذا یہ اصل کی طرح ہو گئے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ اِن کاغذی نوٹوں کی ضرورت نے ہی عصر حاضر میں تمام ممالک کو اِن پر اعتماد کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اِن کاغذی نوٹوں کے حوالے سے فقہاء سلف کی کوئی رائے تو ہماری نظر سے نہیں گزری کیوں کہ اُن کے زمانے میں اِن نوٹوں کا وجود ہی نہیں تھا، البتہ علماء عصر نے اس حقیقت کو دیکھا کہ کاغذی کرنسی ،قیمت لگانے ، تبادلے کے واسطہ اور ذخیرہ کرنے کے آلہ کے طور پر اپنے استعمال میں سونے اور چاندی کے قائم مقام بن چکی ہے، لہٰذا(ان کے نزدیک) اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے وہ بذات خود نقد کی حیثیت اختیار کر گئی۔

مولانا تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اکثر علمائے عرب کی رائے یہ ہے کہ نوٹ ذھب اور فضہ کے قائم مقام ہیں جو احکام سونے ' چاندی کے ہیں وہی نوٹوں کے ہیں۔وجہ اس کی یہ ہے کہ سونا' چاندی تو آلہ تبادلہ نہیں رہے۔سونے ' چاندی کی جگہ اب نوٹوں نے لے لی ہے' لہٰذا زکوٰۃ' بیع صَرف اور ربا وغیرہ تمام مسائل میں نوٹوں کا حکم سونے' چاندی والا ہوگا۔[۲۱]

چنانچہ ہر قسم کے نوٹوں کا آپس میں کمی بیشی اور ادھار کے ساتھ تبادلہ ناجائز ہوگا،الا یہ کہ کوئی حیلہ کیا

۲۰- الدکتور اَبوبکر دوکوری، **أحكام النقود الورقية**، ص ۱، Retrieved jan 4,2012,from

http://www.kantakji.com/fiqh/Files/Economics/c353.doc-Cached-Similar

۲۱- ایضاً، **اسلام اور جدید معاشی مسائل**، ج ۲،ص ۱۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے۔لہٰذا عرب علماء کے مؤقف کو سامنے رکھا جائے تو دنیا میں جتنا بھی کرنسی کا لین دین ہو رہا ہے وہ سب نا جائز ہو جائے گا۔اس لیے کہ جب نوٹ سونے کے قائم مقام ہو گئے تو ان نوٹوں کا کمی بیشی کیساتھ تبادلہ بھی نا جائز ہو جائے گا اور یہ بات بھی ناجائز ہو جائے گی کہ مجلس میں احد البدلین پر قبضہ کر لیا جائے۔بلکہ ایک ہی مجلس میں دونوں طرف سے قبضہ ضروری ہوگا۔جیسا کہ اس کی مزید وضاحت آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔

ایک کرنسی کا دوسری کرنسی کے ساتھ اگر قبض میں تاخیر کرتے ہوئے معاملہ کیا جائے تو وہ عرب علماء کے ہاں اس وجہ سے بھی ناجائز ہے کہ اس میں کرنسی حوالے کرنے میں جو تاخیر طلب کی جارہی ہے وہ اس میں نفع کمانے کے لیے کی جارہی ہے کیوں کہ جب بھی مدت زیادہ ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے کبھی نفع میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اور یہ صورت ربا کی طرف لے جاتی ہے اس لیے ناجائز ہے۔چنانچہ تقابض میں تاخیر نہ ہونے کی شرط کے ساتھ اس کی اجازت دی جائے گی تا کہ اس مفسدہ سے بچا جا سکے۔کیوں کہ کرنسی کا کام کرنے والے لوگ مدت اور مہلت اسی وجہ سے طلب کرتے ہیں کہ وہ اس مدت میں اس کرنسی سے نفع کما سکیں۔اور یہ **أما أن تقضی و أما أن تربی** جیسی صورت ہو جائے گی جو صریح ربا ہے۔خاص طور پر جب کسی کا مقصد ہی کرنسی کی تجارت کرنا ہو، کیوں کہ اس سے افراد اور معاشرے کو بہت ہی زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔[۲۲]

المعاییر الشرعیة میں بھی عرب علماء کے اسی مؤقف کو سامنے رکھ کر کرنسی کے لین دین سے متعلق مندرجہ ذیل شرعی احکامات متعین کئے گئے ہیں:

> **تجوز المتاجرة فی العملات شریطةَ مراعاةِ الأحکامَ والضَّوابطِ الشرعیةِ الآتیة: (ا) أن یتم التقابض قبل تَفَرُّقِ العَاقدَیْنَ، سواءٌ أکان القبضُ حقیقیاً أم حکمیاً......(ج) أَن لایشتمل العقد علیٰ خیارِ شرطٍ أو أجل لتسلیم أحد البدلین أو کلیهما. ۲/۶/۲/۱ اذا تم التعاقد علی بیع مبلغ من العملات فلا بد من تسلیم وقبض جمیع المبالغ موضوع المتاجرة قبل التفرق. ۲/۶/۲/۲ لا یکفی لجواز المتاجرة بالعملات قبض أحد البدلین دون الآخر، ولا قبض جزء من أحد**

۲۲- الدکتور محمد الشحات الجندی، **فقه التعامل المالی المصرفی الحدیث** القاهرة، دار النهضة العربیة، ۱۹۸۹، ص ۲۱۵، ۲۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البدلين، فأن قبض بعض البدل صح فيما تم قبضه دون الباقي.[۲۳]

مختلف کرنسیوں کاروبار مندرجہ ذیل احکامات اور ضوابط کی رعایت کرتے ہوئے جائز ہے:(ا) عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے دونوں طرف سے قبضہ مکمل ہوجائے، خواہ قبض حقیقی کی صورت میں یا پھر قبض حکمی کی صورت میں...... (ج) بدلین میں سے کسی ایک یا دونوں کی سپردگی کے لیے عقد کسی خیار شرط یا مدت پر مشتمل نہ ہو۔ ۱/۲/۶ جب کرنسیوں کی کسی مقدار پر باہمی عقد مکمل ہو جائے تو علیحدہ ہونے سے پہلے ان تمام مقداروں کا سپرد کرنا اور ان پر قبضہ کرنا ضروری ہے جن پر باہمی لین دین ہوا ہے۔ ۲/۲/۶ کرنسیوں کے لین دین کے جواز کے لیے بدلین میں سے کسی ایک پر قبضہ کافی نہیں ہے اور نہ ہی اس کے بعض حصے پر قبضہ کافی ہے، لہٰذا اگر احد البدلین کے بعض حصے پر قبضہ کیا گیا تو جس حصے پر قبضہ کیا گیا ہے اس میں معاملہ درست ہوجائے گا اور باقی میں درست نہیں ہوگا۔

قبض حقیقی اور حکمی

پھر مزید یہ بیان کیا گیا ہے کہ مختلف اشیاء کے قبضے کی کیفیت ان اشیاء کی حالت اور عرف کے مطابق ہوگی اور اگر دونوں طرف کی کرنسیوں پر حقیقی یا حکمی قبضہ ہو گیا تو بیع صحیح ہو جائے گی۔ حقیقی قبضے کا مطلب ہے کہ ہاتھ در ہاتھ لین دین ہو جائے اور حکمی قبضے کا مطلب ہے کہ اعتباری قبضہ ہو جائے یعنی اس کرنسی میں تصرف کا مکمل اختیار حاصل ہوجائے جسے 'تخلیۃ' کہا جاتا ہے۔ خواہ یہ اختیار بینک کے اکاؤنٹ میں رقم کی منتقلی کے ذریعے حاصل ہو یا پھر اسی طرح کی کسی اور صورت کے ذریعے ہو کہ جس میں 'تخلیہ' متحقق ہو جائے اور اس رقم کے حصول سے کوئی چیز مانع نہ رہے۔[۲۴]

۲۳- هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الاسلامية **المعايير الشرعية**، المتاجرة فى العملات، بحرين، ۲۰۰۳-۴ء، ص ۵،۶

۲۴- ایضاً، ص ۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنسیوں کے لین دین میں وکالت اور اس پر اجرت کا حصول

کرنسیوں کی خرید و فروخت کے عقد کو مکمل کرنے کے لیے کسی غیر کو وکیل بنایا جا سکتا ہے اور اس کو قبضہ اور سپردگی کا وکیل بھی بنایا جا سکتا ہے۔اسی طرح اگر قبضے کی ذمے داری وکیل کے سپرد نہیں کی تو اس میں یہ شرط ہے کہ موکل خود یا کوئی اور وکیل عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے کرنسی پر قبضہ کر لے۔[۲۵]

یہاں پر بھی وہی اصول مدنظر رکھا گیا ہے کہ کرنسیوں کی باہمی خرید وفروخت بیع صرف کے حکم میں ہے چنانچہ جس طرح بیع صرف میں نسیئہ جائز نہیں ہے اسی طرح یہاں پر بھی نسیئہ جائز نہ ہوگا اور بدلین پر قبضہ ضروری ہوگا۔پھر اگر کسی آدمی کے برآمدشدہ مال کی رقم آنی ہے اور وہ بینک کو اس رقم کی رسید دے کر بینک سے پوری رقم وصول کر لے اور بینک باہر سے رقم وصول کرنے کی علیحدہ سے اجرت وصول کرلے تو یہ دو شرطوں کے ساتھ جائز تھا۔۱۔ اجرت مثل ہو۔۲۔ عقدِ قرض، عقد اجارہ سے منفصل ہو۔ یہ تجویز مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دی تھی لیکن بینکوں کو اسے استعمال نہ کرنے کا کہا گیا ہے اور اس کی بجائے کسٹمر کے ساتھ مشارکہ و مضاربہ کرنے کی تجویز دی گئی ہے۔معاییر میں اسی صورت کے جواز کے حوالے سے تحریر ہے:

> **۲/۵/۱۲ لا يعتبر من قبيل الحوالة التظهير التوكيلي الذى يطلب العميل بموجبه من المؤسسة تحصيل قيمة الورقة التجارية لحسابه، بل هي وكالة جائزة شرعاً سواء أكانت بأجر أم بغير أجر.**[۲۶]
>
> کلائنٹ کا بینک سے ہنڈی کی تصدیق(در اصل قیمت) طلب کرنا جس میں کلائنٹ بینک سے یہ کہتا ہے کہ اس رسید کی بنیاد پر جو رقم آنی ہے وہ وصول کرنے کے بعد آپ اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کر لینا حوالہ نہیں کہلائے گا ، بلکہ یہ وکالت کا معاملہ ہے جو اجرت کے ساتھ اور اجرت کے بغیر دونوں طرح سے جائز ہے۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی وکالت میں اجرت لینے کے جواز کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> **تصح الوكالة بأجر وبغير أجر؛لأن النبى ﷺ كان يبعث عماله لقبض الصدقات ويجعل لهم عمولة....ولأن الوكالة عقد جائز**

۲۵- ایضاً،ص ۷

۲۶- ایضاً، **الحوالة**،ص۱۰۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لايجب على الوكيل القيام بها، فيجوز أخذ الأجرة فيها، بخلاف الشهادة، فأنها فرض يجب على الشاهد أداؤها.(۲۷)

اجرت کے ساتھ اور اجرت کے بغیر وکالت صحیح ہے، کیوں کہ نبی ﷺ اپنے عمال کو صدقات کی وصولی کے لیے روانہ فرماتے تھے اور ان کے لیے اجرت مقرر فرماتے تھے۔۔۔۔ اور اس وجہ سے بھی (وکالت پر اجرت وصول کرنا جائز ہے) کیوں کہ وکالت عقد جائز ہے جس کو پورا کرنا وکیل پر لازم نہیں ہے، لہذا اس میں اجرت وصول کرنا جائز ہے۔ بخلاف شہادت کے، کیوں کہ وہ فرض ہے اور گواہ پر اس کا ادا کرنا واجب ہے۔

البتہ اگر صرف رقم منتقل کرنا ہو اور اس میں حوالہ کی صورت نہ پائی جائے تو اس میں اجرت لینابلا کراہت جائز ہے اور اس سے'معاییر' میں بینکوں کو منع بھی نہیں کیا گیا ۔ اگر غیر ملکی کرنسی میں بھی تبدیل کرنا ہو تب بھی پہلے بیع صرف ہوگی اور پھر سادہ تحویل(SimpleTransfer) ہوگی نہ کہ وہ حوالہ کہ جس پر اسلامی بینکوں کو رقم وصول کرنے سے منع کیا گیا ہے، البتہ' معاییر' میں اس سادہ تحویل کے لیے بھی حوالہ کا لفظ استعمال کی گیا ہے ۔(۲۸)

حوالہ اور خدمات کی اجرتوں میں بنیادی فروق

اور یہاں سے ایزی پیسہ سروس(Easy Paisa Service) کا حکم بھی معلوم ہو گیا جو ہمارے ملک میں رائج ہے کہ اس پر جمع کرانے والے سے رقم وصول کرنا بنیادی طور پر جائز ہے، اسی طرح اے ٹی ایم (ATM) مشین استعمال کرنے پر جو رقم کاٹی جاتی ہے وہ وصول کرنا بھی جائز ہے۔ ایزی پیسہ اور اے ٹی ایم کے استعمال پر وصول کی جانے والی رقوم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ایزی پیسہ میں حوالہ یا ہنڈی کی صورت پائی جارہی ہے جب کہ اے ٹی ایم میں میں خدمات پر اجرت(Service Charges) کی صورت پائی جارہی ہے۔ ایزی پیسہ کا طریقۂ کار یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے شہر میں کسی دوسرے شخص کو رقم بھیجنی ہے تو وہ ایزی پیسہ کی مخصوص دکان پر جا کر اپنے اور دوسرے شخص کی مخصوص معلومات مثلاً شناختی کارڈ نمبر،

۲۷- وھبۃ الزحیلی، **الفقہ الاسلامی و ادلتہ**، الفصل التاسع الوکالۃ، شام، دارالفکر، ۱۹۸۵ء، ج۵، ص۷۴

۲۸- المعاییر الشرعیۃ، **الحوالۃ**، البند : ۶/۱۲، ص۱۰۴؛ **المتاجرۃ فی العملات**، البند۲/۱۱، ص۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موبائل نمبر وغیرہ دکان دار کو فراہم کرے گا اور رقم جمع کروانے کے بعد دکان دار سے ایک کوڈ وصول کرلے گا اور وہ کوڈ اُس شخص کو بتا دے گا جسے رقم بھجوائی ہے۔وہ شخص یہ کوڈ اپنے شہر میں موجود کسی بھی ایزی پیسہ سروس کی دکان پر بتانے کے بعد اسی وقت وہ رقم وصول کرسکتا ہے۔اس مخصوص کوڈ کی حیثیت اس رسید ہی کی ہے جس کو ہم ہنڈی کہتے ہیں، گویا کہ یہ کوڈ اُس رسید کی جدید شکل ہے۔

البتہ یہ بات فقہی لحاظ سے قابلِ بحث ہے کہ کیا رقوم کی مختلف مقداروں پر مختلف اجرتیں وصول کرنا جائز ہوگا؟جب کہ فراہم کی جانے والی سروس کی کیفیت ایک ہی ہے۔چنانچہ ایزی پیسہ سروس میں رقم کی مقدار جتنی بڑھتی جائے گی اتنا ہی فیس میں بھی اضافہ ہوگا۔مثلاً اگر کوئی شخص ایک شہر سے دوسرے شہر میں ایزی پیسہ سروس کے ذریعے ایک ہزاریا تین ہزار روپے منتقل کرنا چاہتا ہے تو ان دونوں کی فیس میں فرق ہوگا اور تین ہزار پر وصول کی جانے والی فیس ایک ہزار پر وصول کی جانے والی فیس سے زیادہ ہوگی ۔عموماً اے ٹی ایم استعمال کرنے پر ایک ہی رقم کاٹی جاتی ہے لیکن اے ٹی ایم کے استعمال کی وہ بعض صورتیں کہ جہاں کٹوتی رقم کے تناسب سے ہوتی ہے تو وہاں پر بھی یہی سوال اٹھتا ہے کہ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟اور یہ سوال خاص طور پر اسلامی بینکوں کے حوالے سے زیادہ قابل توجہ ہے۔ مثلاً بینک الفلاح کے اسلامک بینکنگ ڈپارٹمنٹ کے شیڈول آف چارجز میں یہ بات بھی درج ہے کہ بینک الفلاح کی طرف سے جاری کیے گئے اے۔ٹی۔ایم کارڈ کے ذریعے اگر بینک الفلاح کی نان بینکنگ مشین سے رقم نکلوائی جائے گی تو نکلوائی جانے والی رقم پر تین فیصد کٹوتی ہوگی،خواہ نکلوائی جانے والی رقم کی مالیت کتنی ہی ہو۔[۲۹]

اب یہاں پر رقم کے تناسب سے کٹوتی کی جا رہی ہے جب بینک کی طرف سے دی جانے والی سروس ایک طرح کی ہے تو اس پر نکلوائی جانے والی رقم کے تناسب سے کٹوتی کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اس باب میں دو قسم کے نقطۂ نظر پیش کئے جا سکتے ہیں۔

۱- دونوں صورتوں میں اگر واقعۃً رقم کے بڑھنے سے اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔ مثلاً حکومت کے کسی قانون کی وجہ سے،یا کوئی اضافی ذمہ داری برداشت کرنا پڑتی ہے، تب تو اس بات کی گنجائش ہے کہ رقم کے تناسب سے فیس یا اجرت وصول کر لی جائے۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوتا تب رقم کے تناسب سے فیس یا اجرت وصول کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۲۹- Bank Alfalah Islamic Banking, *Welcome Guide*, Schedule of Charges, P:16

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲- ایزی پیسہ کی صورت کا بنیادی تعلق 'ذمہ داری' سے جڑاہوا نظر آتا ہے کہ ایزی پیسہ والے دوسرے شہر میں موجود شخص کو رقم فراہم کرنے کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں ۔اور یہ ایک واضح بات ہے کہ ذمہ داری کے بڑھنے سے اس کی اجرت بھی بڑھ جاتی ہے، لہذا ایزی پیسہ کی صورت میں رقم کی مختلف مقداروں پر مختلف فیسیں وصول کرنا جائز ہے،خاص طور پر مروجہ تناظر میں کہ بھیجی جانے والی رقم کے فی صد کے حساب سے فیس نہیں لی جاتی کہ مثلاً سو روپے پر تین روپے لیے جائیں، بلکہ مخصوص مقدار کے لحاظ سے فیس لی جاتی ہے مثلاً ایک ، تین ، پانچ ہزار روپے وغیرہ کی مقداروں پر فیس لی جاتی ہے۔ جب کہ اے ٹی ایم والی صورت کا بنیادی تعلق 'ذمہ داری' سے نہیں ہے۔ کیوں کہ بینک نے پہلے ہی اے ٹی ایم میں رقم رکھی ہوتی ہے؛ اس رقم کو نکالنے کی ایک حد ہوتی ہے مثلاً بیس ہزار یومیہ؛ اس میں بنیادی کام مشین کا ہوتا ہے جس سے رقم نکالی جاتی ہے؛ اس صورت میں کسی اور جگہ رقم پہنچانی یا دلوانی نہیں ہوتی۔کیوں کہ اس صورت میں'ذمہ داری' بڑھتی نظر نہیں آتی اس لیے اس صورت میں رقم کے تناسب سے اجرت وصول کرنا جائز نہیں ہوگا۔ یہ دوسرا مؤقف زیادہ وزنی نظر آتا ہے لیکن اس بارے میں فقہاء کرام کو مزید غور وفکر کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

چوتھا مؤقف

ایک رائے یہ بھی سامنے آئی کہ نوٹ چونکہ سونے کے حکم میں ہیں لہٰذا مختلف کرنسیوں کے لین دین میں بیع صرف کے احکامات کوتو مدنظر رکھا جائے گالیکن ہم مختلف ممالک کی کرنسیوں کے آپس میں لین دین میں حکومت کے متعین کردہ ریٹ کو دیکھیں گے ۔

چنانچہ مولانا مجاھد الاسلام قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

> حکومت نے مختلف غیر ملکی رقوم ڈالر، پونڈ، اور ریال وغیرہ کی ہندوستانی روپے کے لحاظ سے قیمت متعین کر دی ہے۔اس قیمت کا تعین در اصل ہرملک کے پاس موجود''سونے'' کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ امریکی ڈالر کی قیمت ہندوستانی سکے سے آٹھ روپے ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہندستان کے آٹھ روپے سے جس قدر سونا خرید کیا جا سکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> گا اسی قدر امریکی ایک ڈالر سے خریدا جا سکے گا۔یہاں ڈالر اور روپیہ سے مقصود اس کا کاغذ نہیں بلکہ اس کی قانونی قدر و قیمت ہے....اس لیے سرکاری سطح پر جس سکہ کی جو قدر متعین ہے اس سے زیادہ میں لینا یا دینا جائز نہ ہوگا۔مثلاً ڈالر کی قیمت سرکاری طور پر آٹھ روپے ہے اور اس کو دس روپے میں فروخت کیا جائے تو یہ سود میں داخل ہوگا۔[۳۰]

مثلاً اگر حکومت نے روپے کی قیمت ڈالر کے مقابلے میں ساٹھ روپے مقرر کر رکھی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک ڈالر سے جتنا سونا خریدا جا سکتا ہے اتنا ہی ساٹھ روپے سے بھی خریدا جا سکتا ہے۔چنانچہ ایک ڈالر کو ساٹھ روپے سے خریدنا جائز ہوگا لیکن اس سے زیادہ پر نہیں۔اس لیے کہ اگر اس سے زیادہ پر خریدا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک طرف سے تو سونا زیادہ دیا جا رہا ہے اور دوسری طرف سے کم دیا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ یہ درحقیقت دو کاغذوں کا تبادلہ نہیں ہے بلکہ اُس مقدار میں سونے کا تبادلہ ہے۔اس تبادلے پر بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے۔جیسے وہاں کمی بیشی جائز نہیں،اسی طرح یہاں بھی حکومت کی مقرر کردہ قیمت سے کم یا زیادہ میں بیچنا جائز نہیں ہوگا۔

یہ رائے نسبتاً بہتر نظر آتی ہے۔اس لیے کہ یہاں پر بیع صرف کا ہونا تو اگرچہ تسلیم کیا گیا مگر مختلف ممالک کی کرنسیوں میں حکومت کے متعین کردہ ریٹ کو بیع صرف کی خلاف ورزی تسلیم نہیں کیا گیا اور ایک بہت اچھا نکتہ اٹھایا گیا کہ مختلف ممالک کی کرنسیوں کے لین دین میں جو فرق ہمیں نظر آتا ہے وہ ظاہری فرق ہے ورنہ درحقیقت وہ کرنسیاں ایک ہی قوت خرید کو ظاہر کر رہی ہوتی ہیں۔چنانچہ مثلاً اگر ہم ایک ڈالر دے کر ساٹھ روپے لے رہے ہیں اور یہ ریٹ بھی حکومت کا متعین کردہ ہے تو یہ درحقیقت ایک ہی مقدار میں سونے کا لین دین ہے ۔

مگر یہاں پر پھر وہی اعتراض لوٹ آتا ہے کہ پھر بھی محض نوٹ دینے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی اس لیے کہ یہ نوٹ تو اصل مال یعنی سونے کی رسید ہیں۔علاوہ ازیں یہ بات بھی کہ موجودہ زمانے میں عام نوٹ تو دور کی بات،ڈالر کی پشت پر بھی مکمل سونا نہیں رہا۔ جس کا باقاعدہ اعلان امریکہ نے ۱۹۷۱ء میں کر دیا تھا۔۱۹۷۱ء میں امریکہ میں سونے کا شدید بحران آیااور لوگ امریکی بینکوں کے پاس ڈالر کے بدلے سونا لینے

۳۰- مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، **جدید فقہی مسائل**، راولپنڈی، ظلال القرآن فاؤنڈیشن،۲۰۰۲ء،ص۲۴۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوڑ پڑے۔امریکہ کو یہ خطرہ ہوا کہ اگر میں نے ان سب کو سونا دے دیا تو میرے پاس تو سونے کے ذخائر ختم ہو جائیں گے،لہٰذا اس نے ڈالر کے بدلے سونا نہ دینے کا اعلان کر دیا۔(۳۱) چنانچہ اب یہ محض دعویٰ ہے کہ ڈالر یا نوٹ کی پشت پر اتنی ہی مالیت میں سونا بھی موجود ہوتا ہے جتنی مالیت اس نوٹ پر ظاہر کی گئی ہوتی ہے۔

چنانچہ مولانا زبیر احمد قاسمی رقم طراز ہیں:

> یہ بات تقریباً مسلمہ ہے کہ کرنسی نوٹ جب حکومت نے جاری کیا تھا اس کا ایک مضبوط رشتہ سونے چاندی سے جڑا ہوا تھااور اس کی غالب حیثیت سندِ مال کی تھی لیکن مختلف معاشی اور اقتصادی انقلابات کے نتیجے میں یہ رشتہ کمزور سے کمزور ہوتا چلا گیا....نوٹوں کا رشتہ آج بھی کسی نہ کسی درجہ میں خلقی ثمن سونے چاندی یا کسی نہ کسی بنیادی سامان مثلاً غلے یا حیوانات کے ساتھ یقیناً جڑا ہوا ہے،پہلے اگر ایک کاغذی نوٹ ایک تولہ چاندی سے اپنا رشتہ اورنسبت رکھنے کے سبب ایک تولہ چاندی کی سند اور وثیقہ تھا تو آج کا وہی نوٹ آج کے ایک تولہ چاندی کے مثلاً پچاسویں جزء سے اپنا رشتہ اورنسبت رکھنے کے سبب تولہ بھر چاندی کے ۱/۵۰ جزء کا وثیقہ وسند ہے علیٰ ھٰذا القیاس دگر بنیادی سامانوں کے ساتھ اس کے رشتہ و نسبت کا حال سمجھا جا سکتا ہے۔(۳۲)

پانچواں مؤقف

نوٹوں کے بارے میں پانچویں رائے جو سب سے بہتر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نوٹ اس وقت فلوس کا حکم اختیار کر گئے ہیں۔فلس اس سکے کو کہتے ہیں جو سونا چاندی کے علاوہ کسی اور دھات مثلاً تانبے،پیتل وغیرہ سے بنا ہو۔فلوس کی ذاتی قیمت ان کے اوپر لکھی گئی قیمت (face value)سے کم ہوتی ہے۔یعنی اگر پانچ روپے کا سکہ ہے تو اس کی دھات کو اگر بازار میں بیچا جائے تو وہ پانچ روپے سے کم میں

۳۱- **اسلام اور جدید معاشی مسائل**، ج۲،ص۷۵

۳۲- مولانا زبیر احمد قاسمی، **کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت**،ص۱۱۶-۱۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بکے گی۔اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر ایک ہی ملک کے نوٹ ہیں تو ان میں تفاضل تو حرام ہوگا،یعنی ایک کے بدلے میں دو لینا۔لیکن ان کے ذریعے سے اگر سونے کی بیع کی جائے تو وہ جائز ہوگی۔اس لیے کہ یہ بیع صرف نہیں کہلائے گی کیونکہ بیع صرف میں دونوں طرف حقیقی سونے کا ہونا ضروری ہے۔(۳۳) جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے،صرف ایک طرف سونا ہے جبکہ نوٹ کی پشت پر سونا نہیں اس لیے تقابض فی المجلس بھی ضروری نہیں۔یہ رائے مولانا تقی عثمانی صاحب کی ہے۔ہندوستان کے اندر مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب ہر سال فقہاء کا ایک بہت بڑا اجتماع کرواتے ہیں،اس میں بحث کے لئے مولانا تقی عثمانی اور عرب علماء کے فتاویٰ کو پیش کیا گیا۔حیدر آباد دکن میں اجتماع ہوا اور ہندوستان کے سارے دار الافتاؤں میں یہ سوال بھیجا گیا۔ان میں سے پچانوے فیصد علماء نے مولانا تقی عثمانی کے قول کی تائید کی جبکہ پانچ فیصد نے اس قول کو اختیار کیا جو اکثر و بیشتر علماءِ عرب کہتے ہیں۔(۳۴) چنانچہ مولانا تقی عثمانی صاحب کے فتوے کے مطابق نوٹوں میں بیع صرف کے احکام تو جاری نہ ہوں گے البتہ رِبا کے احکام جاری ہوں گے۔یعنی تفاضل حرام ہوگا کہ ایک ہی ملک کے دو نوٹوں کو ایک نوٹ کے بدلے میں بیچا جائے،جبکہ سب ایک ہی مالیت کے نوٹ ہوں۔مثلاً دو روپوں کو ایک روپے کے بدلے میں بیچا جائے، جیسے عام طور پر نئے نوٹوں میں کیا جاتا ہے۔

اشیائے ستہ میں حرمتِ تفاضل اور اس کی علت

اس مسئلے کا تعلق ایک اور بنیادی مسئلہ سے ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اشیاءِ ستہ میں تحریم ربا کی علت کیا ہے؟یعنی وہ چھ چیزیں جنہیں آپ ﷺ نے کمی زیادتی کے ساتھ اور ادھار بیچنے سے منع فرمایاہے،ان میں دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیزیں ہوں تو تحریم ربا کی علت کیا ہے؟ مثلاً دونوں طرف سونا ہو یا دونوں طرف گندم ہو۔تحریم ربا کی علت معلوم کرنے سے پہلے اس بارے میں حدیث مبارکہ ملاحظہ کر لی جائے۔چنانچہ عبادۃ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

الذهب بالذهب مثلاً بمثلٍ والفضة بالفضة مثلاً بمثلٍ والتمر بالتمر مثلاً بمثلٍ والبُر بالبُر مثلاً بمثلٍ والملح بالملح مثلاً بمثلٍ والشعير بالشعير مثلاً بمثلٍ فمن زاد او ازداد فقد اربىٰ بيعوا الذهب بالفضة كيف شئتم يداً بيدٍ و بيعوا البُر بالتمر كيف شئتم يداً بيدٍ و

۳۳- علامہ ابن الھمام، محمد بن عبد الواحد، **فتح القدير**، کتاب الصرف، سکھر، المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ، ج۶،ص ۲۵۸

۳۴- **کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت**،ص۷۸-۷۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیعوا الشعیر بالتمر کیف شئتم یداً بیدٍ. [۳۵]

سونے کے بدلے سونا برابر سرابر، چاندی کے بدلے چاندی برابر سرابر، کھجور کے بدلے کھجور برابر سرابر، گندم کے بدلے گندم برابر سرابر، نمک کے بدلے نمک برابر سرابر، جو کے بدلے جو برابر سرابر، پس جس شخص نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو اس نے سودی معاملے کا ارتکاب کیا۔ تم سونا، چاندی کے بدلے میں بیچو جیسے چاہو مگر ہاتھ در ہاتھ۔ گندم کو جو کے بدلے میں بیچو جیسے چاہو مگر ہاتھ در ہاتھ۔ جو کو کھجور کے بدلے میں بیچو جیسے چاہو مگر ہاتھ در ہاتھ۔

احناف کے ہاں ان چھ چیزوں میں تحریمِ ربٰوا کی علت' وزن' اور' کیل، مع الجنس ہیں۔ چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی تنویر الابصار کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(و علتہ) أی علۃ تحریم الزیادۃ(القدر) المعہود بکیل أو وزن(مع الجنس فان وجدا حرم الفضل)أی الزیادۃ(والنسا) بالمد التاخیر فلم یجز بیع قفیز بر بقفیز منہ متساویاً وأحدھما نسا (وان عدما)...(حلا)...لعدم العلۃ فبقی علیٰ اصل الاباحۃ (وان وجد أحدھما) أی القدر وحدہ أو الجنس (حل الفضل وحرم النسا) ولو مع التساوی،حتّٰی لو باع عبداً بعبدٍ إلیٰ أجل لم یجز لوجود الجنسیۃ. [۳۶]

اور زیادتی کے حرام ہونے کی علت،'مقدار'(جسے کیل اور وزن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے)اور 'جنس' ہے۔ چنانچہ اگر دونوں چیزیں(مقدار اور جنس) پائی جائیں تو زیادتی اور ادھار حرام ہے۔ لہٰذا گندم کے ایک قفیز(پیمانہ) کی بیع گندم کے دوسرے قفیز سے برابر کر کے اس صورت میں ناجائز ہوگی کہ ان میں سے ایک قفیز ادھار ہو۔ اور اگر جنس اور قدر

۳۵- **سنن الترمذی،** ج ۲،ص ۳۶۵

۳۶- علاء الدین محمد بن علی الحصکفی، **الدر المختار،** کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ج ۵،ص۱۷۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> نہ پائی جائیں تو زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔اور جواز کی وجہ حرمت کی علت کا نہ پایا جانا ہے لہٰذا چیز اپنی اباحتِ اصلیہ پہ قائم رہے گی اور اگر جنس و قدر میں سے کوئی ایک چیز پائی گئی تو زیادتی جائز ہوگی اور ادھار حرام ہوگا اگرچہ برابری کیساتھ ہی کیوں نہ ہو۔حتیٰ کہ اگر ایک کے بدلے دوسرا غلام ادھار خریدا تو جنس ایک ہونے کی وجہ سے نا جائز ہوگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ احناف کے ہاں ایک فلس کی بیع دو فلوس سے جائز ہونی چاہئے کیونکہ فلوس میں نہ وزن ہے اور نہ کیل (ناپنا) ہے۔عام طور پر گن کر تبادلہ کیا جاتا ہے۔اور اگر ایک فلس کی بیع دو فلوس سے غیر متعین کر کے کی جا رہی ہے تو احناف کے ہاں بالاتفاق نا جائز ہے۔اور متعین کر کے بیچنے میں اختلاف ہے۔شیخین کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک نا جائز ہے۔ امام محمد کے دلائل اس بارے میں زیادہ قوی ہیں۔(۳۷) بہر حال جب احناف کے ہاں ربا کی علت ثمنیت ہے ہی نہیں ،جیسا کہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں ہے۔(۳۸) تو فلوس کی غیر متعین بیع کی صورت میں کمی زیادتی ان کے ہاں بالاتفاق کیوں نا جائز ہے؟ 'کیل' اور 'وزن' جو احناف کے ہاں ربا کی علت ہیں وہ فلوس میں پائے نہیں جا رہے ۔اور ثمنیت پائی جا رہی ہے جو احناف کے ہاں ربا کی علت ہی نہیں ہے۔تو آخر کس چیز نے تفاضل کو نا جائز کر دیا۔اس کے جواب سے پہلے ربا کی تعریف ملاحظہ فرمائیں۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

> ربوٰ: (ع،تلفظ: ربا) لغت میں اس کے معنی ہیں ''زیادتی''.......اسلامی کتابوں میں لفظ ''ربا'' کا استعمال پانچ قسم کے معاملات پر کیا گیا ہے۔ایک سودی قرض کے لین دین پر (۲[البقرہ]:۲۷۵)دوسرے بالفضل پر...... (۳۹) یہاں بالفضل سے مراد کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا ہے۔(۴۰)

صاحبِ منجد کی تعریف ملاحظہ فرمائیں:

۳۷- محمد بن محمود البابرتی، **العناية،حاشية فتح القدير**، مصر،المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی، مصر، ج۵،ص۲۸۷-۲۸۸

۳۸- عبد الرحمٰن الجزیری، **کتاب الفقه علٰی المذاهب الاربعة**، بیروت، دار الفکر،۲۰۰۲ء، ج۲،ص۲۰۴

۳۹- اِمام ابو اسحاق شیرازی، **المهذّب**، باب الربا، مصر، مکتبہ عیسیٰ البابی الحلبی، ج ۱،ص۲۷۰

۴۰- **اردو دائرہ معارف اسلامیہ**، پنجاب یونیورسٹی، لاہور،۱۹۷۳ء ج ۱۰،ص ۱۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ربا یربوا رباءً وربوًا۔ المال :مال کا زیادہ ہونا،بڑھنا۔[۴۱]

بہر حال رِبا کی صحیح تعریف ''زیادۃ بدون عوض'' ہے۔یعنی بغیر عوض کے زیادتی یا بغیرعوض کے کوئی بھی چیز طلب کرنا۔اب ہوتا یہ ہے کہ جو چیزیں **متعین بالتعیین** ہوتی ہیں ان میں شرعاً اوصاف معتبر ہوتے ہیں۔اور شرعاً معتبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعضِ ثمن کو ذات کا اور بعض کو اوصاف کا عوض قرار دے دیا جاتا ہے۔مثلاً کوئی عددی چیز ہے جیسے ایک ہی طرح کے دوقلم ہیں، ان کو اسی طرح کے ایک قلم کے بدلے میں بیچ سکتے ہیں۔اس لیے کہ یہ متعین بالتعیین ہو سکتے ہیں چنانچہ ایک قلم تو ایک قلم کے مقابلے میں آ جائے گا اور دوسرا قلم اس ایک قلم کے اوصاف کے مقابلے میں آ جائے گا مثلاً وہ قلم کسی مشہور ہستی کے پاس رہا جس کی وجہ سے اس کی قدر بڑھ گئی،یہی وہ صفت ہے جس کے بدلے میں دوسرا قلم دیا گیا۔لیکن جن اشیاء میں اوصاف کا اعتبار نہیں ہے وہاں ایک کا تبادلہ دو سے ،زیادتی بلاعوض میں آ جائے گا اور حرام ہوگا۔چنانچہ ایک نئے فلس کو دو پرانے فلوس کے بدلے بیچنا نا جائز ہوگا حالانکہ اس سکے میں ایک خاص صفت بھی پائی جا رہی ہے یعنی اس کا نیا ہونا۔لیکن کیونکہ فلوس میں اوصاف بالاتفاق ھدر(ضائع) ہیں چنانچہ یہ بیع نا جائز ہوگی۔

ایک ہی ملک کی کرنسی میں کمی بیشی کا عدمِ جواز

ہم نے آخری قول کے مطابق کیونکہ نوٹ کو بھی فلس کے قائم مقام کیا تھا لہٰذا ایک ہی ملک کی کرنسی کی کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت نا جائز ہوگی اس لیے کہ اس میں بھی اوصاف کا اعتبار نہیں ہوگا۔چنانچہ اس کے تبادلے میں کمی بیشی حرام ٹھہرے گی۔اور اگر کوئی ایک روپے کو دو یا ڈیڑھ روپے میں بیچنا چاہے گا تو وہ بیچنا حرام ہوگا۔

مختلف ممالک کی کرنسیوں میں کمی بیشی کا جواز

اگرمختلف ممالک کی کرنسیاں ہوں تو وہ مختلف جنس شمار ہونگی۔چنانچہ پاکستان کا نوٹ ایک الگ جنس ہے اور دبئی یا سعودی عرب کا نوٹ ایک دوسری جنس۔اور کیوں کہ اجناس مختلف ہیں لہٰذا ان میں تفاضل اور کمی بیشی جائز ہوگی۔صاحب ھدایہ لکھتے ہیں:

۴۱۔ لویس معلوف، **المنجد**،کراچی، دار الاشاعت، ۱۹۷۵ء،ص۳۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَلرِبا محرمٌ فِی کُل مکیلٍ أو موزونٍ إذا بِیعَ بِجنسه متفاضلاً۔[۴۲]
سود، ہر وزنی اور کیلی چیز میں ناجائز ہے جب اس (وزنی اور کیلی) چیز کو
اسی کی جنس سے زائد کر کے بیچا جائے۔

صاحب ھدا یہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ احناف کے ہاں تفاضل اس وقت جائز ہو جاتا ہے جب اشیائے ربویہ، جن کا آپس میں لین دین کیا جا رہا ہے، مختلف جنس کی ہوں۔

کرنسی کی خرید وفروخت اور سرکاری نرخ

تفاضل ہی کے حوالے سے ایک اور بات سمجھنے کی ہے کہ مختلف ممالک کی کرنسیوں کی ایک شرح تبادلہ (exchange rate) مقرر ہوتی ہے۔ یہ سرکاری ریٹ ہوتا ہے۔ لیکن بازار میں عام طور پر اس کا نرخ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ اگر ڈالر سرکاری طور پر ساٹھ روپے کا ہے تو وہ بازار میں پینسٹھ یا ستر کا بھی خرید و فروخت ہو سکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرکاری ریٹ سے کم یا زیادہ پر بیچنا کیسا ہے؟

پہلا نقطۂ نظر

بعض علماء نے تو یہ کہہ دیا کہ سرکاری نرخ سے کم و بیش میں بیچنا سود شمار ہوگا کیونکہ جب مثلاً حکومت نے ایک ڈالر کو پاکستان کے ساٹھ روپے کے مساوی قرار دیدیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ڈالر ساٹھ روپے کے برابر ہے لہٰذا اس پر زیادتی سود شمار ہوگی۔ اور یہ زیادہ کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ساٹھ روپوں کو ساٹھ روپوں سے زیادہ پر فروخت کرنا، لہٰذا یہ ناجائز اور حرام ہوگا۔

دوسرا نقطۂ نظر

لیکن دوسرے بعض علماء کا مؤقف اس سے مختلف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سرکاری نرخ مقرر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ڈالر ساٹھ روپے کے نوٹ جیسا ہو گیا بلکہ جب یہ دونوں مختلف جنس ہیں تو شریعت نے ان میں تفاضل کو جائز قرار دیا ہے اور یہ ربا کے حکم میں آ کر حرام نہ ہوگا۔[۴۳] البتہ اس میں تسعیر کا قاعدہ جاری ہوگا اور جو حکم تسعیر کا ہوتا ہے وہی اس کا بھی ہوگا۔ اور تسعیر کہتے ہیں حکومت کی طرف سے اشیاء کے

۴۲- برھان الدین علی بن ابی بکر، **الھدایه، کتاب الصرف،** لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ج ۳، ص ۱۱۱

۴۳- **فتح القدیر،** ج ۶، ص ۱۴۶-۱۴۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نرخ مقرر کر دینے کو۔ [۴۴]

المنجد میں تسعیر کی تعریف یوں بیان ہوئی ہے:

سعَّر القومُ: اتفقوا علیٰ سِعرہ. [۴۵]

قوم کا کسی بھاؤ پر اتفاق کرنا۔

چنانچہ اگر حکومت نے ڈالر کا نرخ مقرر کر دیا ہے تو اسے حتیٰ المقدور اسی نرخ پر لینا دینا چاہیے۔اور اگر اسے کم و بیش پر بیچا تواولو الامر کے خلاف تو ہوگا، اس لیے کہ تسعیر کی حتیٰ الوسع پابندی کرنی چاہئے۔لہٰذا قرآن کریم میں واضح حکم ہے:

اَطِیعُوا اللّٰہَ واَطِیعُوا الرسولَ واولِی الامرِ مِنکُم. [۴۶]

اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اپنے میں سے اولوالامر (حکام) کی۔

لیکن تسعیر کی اس خلاف ورزی کو سودی معاملہ شمار نہیں کریں گے ۔اس لیے کہ کسی معاملے کے سودی ہونے کے لیے جو شرائط ہیں وہ اس صورت میں نہیں پائی جا رہیں۔البتہ اس جگہ پر نسیئہ جائز نہ ہوگا تا کہ سود کا چور دروازہ نہ کھل جائے۔اگرچہ قاعدے کے لحاظ سے یہاں پر نسیئہ بھی جائز ہونا چاہئے۔ اس لیے کہ یہ اموال ربویہ میں سے تو ہیں نہیں ۔کیوں کہ ان میں 'کیل' اور 'وزن' نہیں پایا جاتا اور تفاضل کوجائز کرنے کی وجہ اس چیز کا خلافِ جنس ہونا تھا۔لہٰذا ان میں ربا کی کوئی بھی علت نہیں پائی جا رہی تو نسیئہ بھی جائز ہونا چاہئے۔اور اگر نسیئہ کو جائز کہہ دیں تو سود کا چور دروازہ ایسے کھلے گا کہ ایک شخص کہے گا میں تمہیں دس ڈالر بیچتا ہوں تم مجھے ایک ماہ بعد ستر روپے فی ڈالر واپس کر دینا۔ حالانکہ بازار میں اس کا ریٹ اِس وقت ساٹھ روپے چل رہا ہے۔گویا کہ پھر جن لوگوں نے ملکی کرنسی میں بھی سودی لین دین کرنا ہے وہ بھی ڈالر میں لین دین کریں گے تا کہ اس طریقے سے مقررہ سود بھی حاصل کر لیں اور معاملہ بھی سودی نہ کہلوائے۔لہٰذا علماء کرام نے نسیئہ کو اس شرط کے ساتھ جائز کہاہے کہ قیمتِ مثلی کے ساتھ ہو۔مثلاً اگر آج ڈالر کو روپے کے بدلے فوری بیچ رہے ہو تو

۴۴- مولانا عبد الحفیظ بلیاوی، **مصباح اللغات**، مادہ: سعر، ملتان، مکتبہ امدادیہ، ص ۳۷۷

۴۵- **المنجد**، ص ۴۷۳

۴۶- **النساء: ۵۹**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار ہے کہ جو قیمت چاہو مقرر کر لو لیکن اگر مستقبل میں بیچنا ہے تو پھر ثمنِ مثل پر سودا کرنا ہوگا،یعنی جو قیمت آج چل رہی ہے وہی ایک ماہ بعد وصول کرنی ہوگی تا کہ سود کا ذریعہ نہ بن جائے۔

جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ نوٹوں کو بہت سے عرب علماء سونے چاندی کے حکم میں شامل سمجھتے ہیں اور اِن پر اُن قوانین کا اطلاق کرتے ہیں جو سونے اور چاندی پر ہوتے ہیں۔لہٰذا ان کے نزدیک نوٹوں کی آپس کی بیع میں سونے اور چاندی کی طرح **تقابض فی المجلس** ضروری ہے اور نسیئہ (تاخیر) حرام ہے۔چنانچہ مختلف ممالک کی کرنسی کا جو کاروبار ہو رہا ہے اور جس طریقے سے ہو رہا ہے وہ ان کے نزدیک ناجائز ہو جائے گا۔اس لیے کہ اس صورت میں تقابض فی المجلس نہیں پایا جاتا۔

مثلاً ایک شخص دوبئی میں ہے اور وہ وہاں پر کسی شخص کو درھم دیتا ہے کہ پاکستان میں اس کے بدلے پاکستانی روپے فلاں شخص کو دے دینا۔اب دراھم پر تو اس بروکر(broker) نے قبضہ کر لیالیکن پاکستانی روپوں پر قبضہ نہیں ہوا اور عرب علماء کے نزدیک یہ صورت ناجائز ہوئی۔چنانچہ اس کا حیلہ انہوں نے یہ بتایا کہ جس شخص نے پاکستانی روپے دینے ہیں وہ اسی مجلس میں پاکستانی روپوں کا چیک(Cheque)دے دے اور چیک پر قبضہ روپوں پر قبضہ متصور ہوگا۔یہ صورت دو حوالوں سے غلط ہے۔ایک تو عملی لحاظ سے کہ اس سے عملی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔اصل میں تو رقم پاکستان میں کسی شخص کو چاہیئے اور چیک دبئی میں حوالے کیا جا رہا ہے اور پھر ہر شخص چیک کے ذریعے ادائیگی کا بندوبست بھی نہیں کر سکتا۔ اگر چیک کے ذریعے ادائیگی والی مشکل کا کوئی عملی حل تلاش بھی کر لیا جائے پھر بھی فقہی نقطۂ نگاہ سے اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر چیک پر قبضہ رقم پر قبضہ تصور کیا جائے تو قبضے کی حقیقت تو یہ ہے کہ قابض اسی وقت سے اس چیز پر تصرف کر سکے۔حالانکہ مذکورہ صورت میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔اول تو اس وجہ سے کہ چیک سے آپ ہر جگہ نوٹ کی طرح فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اس لیے کہ چیک ہر جگہ اور ہر کسی کے لئے قابل قبول نہیں ہوتا۔اور دوسرا اس وجہ سے کہ کل کو آپ چیک لے کر بینک جائیں اور وہاں پتہ چلے کہ چیک دینے والے کے اکاؤنٹ میں تو اتنے پیسے ہی نہیں ہیں اور چیک باؤنس(bounce) ہو جائے۔لہٰذا چیک کے قبضے کو مال کا قبضہ کہنا درست نہ ہوگا۔

عرب علماء کے لیے ایک تجویز

مضمون نگار کے نزدیک اگر عرب علماء نوٹوں کی بیع کو بیع صرَف تسلیم کرتے ہیں تو بھی اس کا ایک حل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممکن ہے اور وہ یہ کہ جس وقت دبئ میں درہم دیے جا رہے ہیں اسی وقت پاکستان میں مطلوبہ آدمی پاکستانی روپوں پر قبضہ کر لے اور اسے حکماً ایک ہی مجلس تصور کیا جائے۔فرق صرف یہ ہوگا کہ پاکستانی روپے زید کے بجائے بکر وصول کر رہا ہے،چنانچہ بکر کو ہم زید کا وکیل تصور کر لیں گے۔لیکن اس میں عملی مسئلہ یہ ہوگا کہ آج کل کے تیز رفتار زمانے میں اس طریقے کو اختیار کرنے میں کچھ مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔وہ ایسے کہ پہلے تو دبئ سے مثلا زید،بکر کو فون کرے کہ تم مقررہ وقت پر پاکستان میں فلاں ایجنسی کے آفس پہنچ جاؤ اور میں بھی دبئ میں اس کے آفس اسی وقت پر پہنچ جاؤں گا۔اپنی باری آنے پر دبئ میں زید، ایجنسی والوں کو دراھم حوالے کرے اور ایجنسی والے فون ،فیکس یا ای۔میل وغیرہ کر کے پاکستان رابطہ کریں اور پاکستان میں موجود ایجنسی سے رابطہ کر کے کہیں کہ ہمیں دراھم مل گئے ہیں، آپ اسی وقت بکر کو پاکستانی روپے دے دیں۔ چنانچہ پاکستان میں ایجنسی والے بکر کو پیسے دینے کے بعد دبئ والوں کو بتا دیں کہ ہم نے رقم دے دی ہے اب زید اور بکر ایجنسیوں سے رخصت ہو سکتے ہیں۔

ویسٹرن یونین(Westren Union)وغیرہ مثلاً جب دبئ میں زید سے رقم وصول کرتے ہیں تو ایک دس ہندسوں پر مشتمل ایم۔ٹی۔سی۔این (Mtcn) کوڈ(code) جاری کرتے ہیں جسے دکھا کر اور اپنی شناخت کرانے کے بعد، بکر پاکستان میں رقم وصول کر سکتا ہے۔یہ بھی ایک طریقہ ہے یہ بات بتانے کا کہ زید سے ہم(ایجنسی) نے رقم وصول کر لی ہے۔اور یہ نمبر بھی فوری ایشو(Issue)ہو جاتا ہے جسے زید اسی وقت بکر کو بذریعہ موبائل میسج(Mobile Message) ارسال کر سکتا ہے اور بکر وہ نمبر اسی وقت پاکستان میں ایجنسی والوں کو دکھا کر رقم وصول کر سکتا ہے۔

حکماً ایک مجلس کا تصور

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکماً مجلس کے ایک ہونے کا تصور درست ہے؟اور یہ تصور کہاں سے آیا؟اس بارے میں مضمون نگار کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں ان دونوں سوالوں کا جواب دینے کے لیے یہ دیکھنا ہوگا کہ شریعت نے تقابض فی المجلس کی جو شرط لگائی ہے اس کی علت کیا ہے؟اگر ہم کتبِ فقہ کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ تقابض فی المجلس کی شرط رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صَرف میں اثمان قبضے کے بغیر متعین نہیں ہوتے۔چنانچہ اگر دونوں طرف سے ثمن پر مجلس میں قبضہ نہ ہو تو اثمان غیر متعین رہ جاتے ہیں اور غیر متعین چیز کی بیع جائز نہیں۔اگر ہم علامہ شامی کی مندرجہ ذیل عبارت کو دیکھیں تو بات زیادہ واضح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جائیگی:

...لأن القبـض فی المجلس لا یشترط اِلا فی الصرف وھو بیع الاثمان بعضھا ببعض امّا مَا عداہ فإنما یشترط فیہ التعیین دون التقابض...(۴۷)

...اس لیے کہ قبضہ صِرف بیع صَرف میں شرط ہے اور وہ(بیع صَرف) کچھ ثمن کی بیع ہے کچھ ثمن کیساتھ۔اس(بیع صرف) کے علاوہ میں صِرف تعیین شرط ہے،تقابض نہیں۔

علامہ شامی کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی یہ بات معلوم ہو ئی کہ بیع صَرف میں تقابض فی المجلس کی شرط اثمان کے غیر متعین ہونے کی وجہ سے ہے۔اگر ہم اثمان کو متعین کر لیں تو بیع صرف جائز ہو جائے گی۔ ہم نے اوپر جو تجویز دی ہے اس سے یقینی طور پر اثمان متعین ہوجاتے ہیں اور وہ اس طرح کہ دبئی میں زید جو درھم دے رہا ہے اور پاکستان میں بکر جو رقم وصول کر رہا ہے یہ سب ایک ہی وقت میں ہوگا۔چنانچہ اگر بکر پاکستان میں اسی وقت رقم وصول نہیں کرتا تو ایجنسی والے ٹرانزیکشن(transaction) منسوخ کر دیں گے اور انہیں ایسا کرنے کا حق اس لیے حاصل ہوگا کیونکہ بکر کے اسی وقت رقم وصول نہ کرنے کی وجہ سے تقابض فی المجلس کی حقیقت پر عمل نہیں ہو پا رہا تھا۔چنانچہ ایجنسی والوں کو سودا منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہو گا۔

اور آپ ﷺ کا واضح ارشاد ہے :

البیعانِ بالخیارِ ما لم یتفرّقا.(۴۸)

بیچنے والے اور خریدار کو (سودا منسوخ کرنے کا) اختیار حاصل ہے جب تک وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں۔

یہاں پر ایک اور بات ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ عرب علماء نے بیع صرف کے جواز کے لیے چیک (Cheque) والی جو صورت بیان کی ہے اس میں قبضے کی حقیقت نہیں پائی جا رہی۔اس لیے کہ قبضہ کہتے ہیں کسی چیز کے فوری استعمال پر قادر ہونے کو،جیسا کہ ماقبل میں اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔لیکن اگر مذکورہ بالا تجویز پر عمل کر لیا جائے تو دونوں اثمان پر قبضہ بھی متحقق ہو جائے گا۔اس لیے کہ جب ایک ہی

۴۷- **رد المحتارعلیٰ الدر المختار**، ج ۵،ص ۱۸۲

۴۸- محمد بن اسماعیل البخاری، **الصحیح البخاری**، کتاب البیوع،ریاض، دار السَّلام للنشر والتوزیع ۲۰۰۰ء،ص ۱۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت میں دراہم اور روپے منتقل کیے جائیں گے تو بکر روپوں کو ،اور ایجنسی والے دراہم کو فوری استعمال کر سکیں گے،اور فوری استعمال پر قادر ہونا ہی قبضے کی حقیقت ہے۔

البتہ اس مقصد کے لیے ایسا طریقۂ کار(mechanism) بنانا ہوگا جو اس بات کا ثبوت فراہم کرے کہ زید اور بکر نے ایک ہی وقت میں رقم لی او ر دی ہے۔اور ایسا کرنا آج کل کے جدید دور میں کچھ مشکل نہیں ہے۔مثلاً دونوں کے آنے اور جانے کا وقت نوٹ کر لیا جائے اور رخصت ہوتے وقت ان کے دستخط ٹائم نوٹ پیڈ(time note pad) پر حاصل کر لیے جائیں یا کمپیوٹر پر فنگر پرنٹ(finger print) لے لیے جائیں، جس سے پتہ چل جائے گا کہ جب بکر نے پاکستان میں رقم لی تو اس وقت زید دبئی آفس میں موجود تھا۔چنانچہ اسے حکماً ایک ہی مجلس تصور کیا جائے۔بہر حال زمانہ قدیم میں دومختلف جگہوں پہ رہتے ہوئے یہ یقین حاصل نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک ہی وقت میں تقابض ہو رہا ہے یا نہیں ،لیکن زمانہ حال میں یہ معلوم کرنا سو فیصد ممکن ہے چنانچہ اس جہت سے تقابض فی المجلس کی شرط پوری ہوسکتی ہے۔اس صورت میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ زید اور بکر رقم لینے اور دینے میں ایک دوسرے کے محتاج ہو جائیں گے۔وہ اس طرح کہ انہیں ایک ہی وقت پر منی ایکسچینج(money exchange) پہنچنا ہوگا جو آج کے انتہائی تیز رفتار دور میں ایک مشکل کام ہے۔لیکن بہرحال یہ اس حیلے سے بہت بہتر صورت ہے جو عرب علماء نوٹوں کے لین دین میں تجویز کرتے ہیں۔چنانچہ اصل بات یہی ہونی چاہئے کہ بیع صرف کے احکام اثمان خلقیہ یعنی سونے چاندی پر تو جاری ہوں گے مگر اثمان اعتباریہ یعنی نوٹوں پر جاری نہ ہوں گے۔ چنانچہ اس صورت میں مختلف مما لک کی کرنسی کے لین دین کے احکامات درج ذیل صورت میں لاگو ہوں گے اور یہی صورت فتوٰی کے مناسب معلوم ہوتی ہے۔

۱- باہر سے رقم بھیجنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ بینک کے ذریعے رقم بھیجی جائے۔وہاں کے بنک میں آپ نے رقم جمع کروائی اور یہاں کے بینک سے وصول کروا لی۔لیکن اس صورت میں ریٹ کیونکہ سرکاری ہوتا ہے اس لیے وہ کم ملتا ہے۔چنانچہ اگر درہم عام مارکیٹ میں بیس روپے کا ہے تو اس کے مثلاً اٹھارہ روپے ملیں گے۔

۲- دوسرا طریقہ ہنڈی یا حوالہ کا ہے کہ دبئی میں کسی شخص کے حوالے رقم کی اور کہہ دیا کہ پاکستان میں فلاں شخص وصول کرے گا۔ اب یہ کام بازاری نرخ پر ہوتا ہے۔چنانچہ اگر بازار میں درہم بیس روپے کا ہے تو اس کے بیس روپے ہی ملیں گے۔اگر اس کی فقہی تکییف اورحکم دیکھا جائے تو وہ کچھ اس طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ہوگا کہ یہ دراھم کی بیع نسیئہ ہوگی کہ دراھم تو ابھی دے دیے اور پاکستانی روپوں کی وصولی بعد میں ہوگی اور وہ حوالے کر دیے کسی اور کے کہ اس سے وصول کر لینا۔ اب یہ درھم کی بیع تفاضل کے ساتھ ہوئی پاکستانی روپوں سے اور کیونکہ دراھم اور روپے الگ جنس ہیں اس لیے ان میں تفاضل جائز ہوگا اور ان میں سود بھی نہ ہوگا اس وجہ سے کہ یہ بعینہ سونا چاندی کے حکم میں نہیں ہیں کہ جو نرخ حکومت نے مقرر کر دیا اس سے کم یا زیادہ پر بیچنا نا جائز ہو جائے،جیسا کہ ما قبل میں بھی اس بات پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔البتہ اگر غیر قانونی طور پر یہ کام کیا تو قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔اگر مسلم حکومت ہے تو اس وجہ سے کہ اولو الامر کی اطاعت نہ کی۔اور اگر غیر مسلم حکومت ہے تو اس وجہ سے کہ ایک عملی معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ اس لیے کہ جو شخص کسی ملک میں رہتا ہے تو عملی طور پر معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اس ملک کے قوانین کی پابندی کرے گا۔اِلّا یہ کہ وہ قوانین اسے کسی گناہ پر مجبور کریں۔کیوں کہ اس بارے میں شریعت کا واضح حکم ہے:

لَا طَاعةَ لِمخلوقٍ فی مَعصیةِ الخالقِ (۴۹)

مخلوق کی اطاعت میں خالق کی نافرمانی جائز نہیں۔

اس جگہ پر نسیئہ بھی پایا جا رہا ہے اور یہ بات بھی ما قبل میں بتائی جا چکی ہے کہ نسیئہ کے لیے یہ شرط ہوگی کہ وہ ثمن مثل کے ساتھ ہو، تا کہ سود کا چور دروازہ نہ کھل جائے۔ایک اور شرط یہ ہوگی کہ احد البدلین پر مجلس میں قبضہ کر لیا جائے۔اس لیے کہ اگر احد البدلین پر قبضہ نہیں کیا تو یہ بیع الدین بالدین (بیع الکالئی با لکالئی)ہو جائے گی جو نا جائز ہے۔ بیع الدین بالدین کا مطلب ہے قرض کی بیع قرض سے، یعنی دونوں چیزیں جو فروخت کی جا رہی ہیں ان میں سے کسی چیز پر بھی قبضہ نہ ہوا۔گویا کہ دونوں کرنسیاں ایک دوسرے کے ذمے قرض ہو گئیں،اور اس کا عدم جواز مصرح ہے۔(۵۰) واللہ اعلم با لصواب

❁❁❁❁❁

۴۹- ابنِ ابی شیبه ،**مصنَف**،کتاب الجهاد، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۱۹۸۶ء ج۱۲،ص ۵۴۶

۵۰- سعد اللہ بن عیسیٰ چلپی ، **حاشیة علیٰ شرح العنایة**، ج ۵،ص ۲۸۷

© rasailojaraid.com